عہدِ نبوی کے "سچے عیسائی"

[۱۹۹۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کے سالِ ولادت کی نسبت سے "ابوالکلام صدی" منائی گئی متعدد کتابیں شائع ہوئیں، نئے مقالات لکھے گئے، پرانی تحریریں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی گئیں، اور یوں مولانا آزاد کی ہمہ جہتی شخصیت پر اچھا خاصا لٹریچر سامنے آگیا۔

مولانا آزاد کا تصوّر مذہب ان کی زندگی میں علمی حلقوں میں موضوع بحث رہا تھا، اس حوالے سے قمر آستان خان نے "صراطِ مستقیم" کے عنوان سے تاریخی پس منظر میں مولانا آزاد کی تحریریں اور ردِ عمل یک جا کیا ہے[1]۔ مولانا آزاد نے ایک جگہ لکھا ہے:[2]

> مذہب اور پیروانِ مذہب کا امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں، ایک چیز نہیں ہے۔ مذہب کے بارے میں ہماری دو تہائی مایوسیاں اسی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ ہم بسا اوقات ان دونوں کا عددی اختلاف بھول جاتے ہیں۔ دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت بھی ایسی نہیں جس کے پیرووٴں کے فہم و عمل کو حجّت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قدم بڑھا سکتے ہوں ۔۔۔ سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتی، اس لیے قرآن کے لیے بظاہر دو ہی طریقے ہوسکتے تھے۔ یا تو وہ تمام پیروانِ مذاہب کی تصدیق کرے یا سب کی تکذیب کرے۔ سب کی تصدیق نہیں کی جاسکتی، کیونکہ ہر ایک دعویٰ دوسرے سے متضاد تھا۔ اسی طرح سب کی تکذیب بھی صداقت کے خلاف تھی، کیونکہ اس صورت میں دنیا کا مذہبی صداقت سے خالی ہونا لازم آتا تھا۔ اور انسان کی روحانی تربیت کی تمام بنیادیں منہدم ہوجاتی تھیں۔ پس اس نے دونوں طریقوں میں سے کوئی طریقہ بھی اختیار نہیں کیا۔ ایک تیسری راہ اختیار کی۔ اس نے کہا کہ دنیا کے تمام مذاہب حق ہیں لیکن دنیا کے پیروانِ مذاہب حق سے منحرف ہوگئے ہیں۔ جس قدر بھی گمراہی ہے، جس قدر بھی اختلاف ہے جو بھی دعووٴں کی لڑائی اور جماعت بندیوں کا تصادم ہے، پیروانِ مذہب کے فہم و عمل میں ہے، مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔ اگر پیروانِ مذہب کا یہ انحراف دور ہوجائے جو حق نہیں ہے، تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز باقی رہ جائے گی جو حق ہے --- یہی مذاہب عالم کا مشترک حق، دنیا کی عالم گیر روحانی قوّت ہے۔

مولانا آزاد نے اپنے اسی بنیادی تصوّر کی وضاحت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں کی۔ (اوّلین اشاعت: ۱۹۳۱ء) ترجمان القرآن (جلد اوّل)، جس میں سورہ فاتحہ کی تفسیر شامل تھی، ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ تحسین آمیز تبصرے شائع ہوئے مگر جلد ہی "وحدت ادیان" اور اُخروی نجات کے لیے ایمان بالرّسل کے لزوم یا غیر لزوم پر بحثیں شروع ہو گئیں اور مولانا آزاد کے تصوّر مذہب پر "سخت تنقید کی گئی"[۳]۔ خود مولانا آزاد کے عقیدت مندوں نے ان سے اپنے تصوّرِ مذہب کی وضاحت کے لیے درخواستیں کیں[۴] اور دو ٹوک انداز میں اپنا خلجان بیان کیا۔ ان عقیدت مندوں میں سے ایک مولانا محی الدین قصوری تھے، ان کے نام مولانا آزاد کے خطوط "تبرکات آزاد" میں شامل ہیں ذیل میں اسی نسبت سے ایک خط کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس میں عہدِ نبوّی کے سچے مسیحیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

کیا مولانا آزاد نے اپنے تصوّرِ مذہب میں تبدیلی کر لی تھی؟ یا بالفاظ قمر آستان خان[۵]، ان "کے تھیسس [نظریے] پر جو طوفان اٹھا، ایک عملی سیاست دان کی حیثیت سے انہوں نے اس سے مصالحت کر لی؟" [مدیر]

ان الذین امنو والذین هادوا والنصاری.........الخ اس آیہ کریمہ کا جو مطلب آپ نے لکھا ہے اور شبہ ظاہر کیا ہے، فی الحقیقت وہ مطلب نہیں ہے اور آپ کا شبہ آپ کی صحت ذوق کا نتیجہ ہے۔ سب سے پہلے آیت کا سیاق و سباق دیکھنا چاہیے۔ سورۃ البقرہ میں خدا تعالیٰ یہودیوں کی حالت بیان کر رہا ہے۔ ایک ایک کر کے ان کی گمراہیاں گنوائی ہیں اور شریعت حقہ سے انحراف کا الزام دیا ہے، یہاں تک کہ شریعت و کتاب اللہ و استہلاک ضلالت و بطلان اپنے منتہادرجے میں کہ مغضوبیت و ملعونیت ہے، پہنچ گئے اور جو قوم کتاب اللہ یعنی تورات کی برکتوں سے بلند ہوئی تھی، ترکِ تورات سے اسفل سافلین ہو گئی۔ چنانچہ فرمایا وضربت علیهم الذلته والمسکنته وباؤابغضب من الله ذالک بانهم کانو یکفرون بایات الله و یقتلون النبیین بغیر الحق ذالک بما عصوا و کانو یعتدون (سورۃ البقرہ) بہرحال بنی اسرائیل پر خماری و نامرادی کی مار پڑی اور خدا کے غضب کے وہ سزاوار ہوئے اور یہ اس لیے ہوا کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور اس کے نبیوں کے ناحق قتل میں بیباک تھے اور (گمراہی و شقاوت کی یہ روح ان میں اس لیے (پیدا ہو گئی) کہ (اطاعت کی جگہ) سرکشی سما گئی تھی اور تمام حدیں توڑ کر بے لگام ہو گئے تھے۔) یعتدون یعنی راہِ حق و شریعت اور صراطِ مستقیم سے بالکل نکل گئے۔ اس کے بعد فرمایا ان الذین امنو، والذین هادو والنصاری والصّابئین ....الخ یعنی جو حالت بیان کی گئی ہے یا یہودیوں کو مخاطب کر کے جو الزام دیئے گئے، سو من حیث القوم اہل کتاب کا یہی حال ہوا اور اسی لیے وقت آ گیا کہ ہدایت حقہ آخری کا ظہور ہو تاہم اقوام سابقہ میں جو نفوسِ طیبہ راہ حق پر قائم رہے اور شریعت الٰہیہ اور کتاب اللہ پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتے رہے (جس کا خلاصہ ایمان باللہ، بالیوم الآخر اور عمل صالح ہے، تو وہ ہر حال میں اس مغضوبیت

سے محفوظ ہیں اور ان کا اجر کبھی ضائع نہ ہوگا۔ ان کے لیے کسی طرح کا بھی خوف اور کھٹکا نہیں ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون پس جن یہود و نصاریٰ و صابیہ کا اس آیت میں ذکر ہے ان سے مراد وہ یہود و نصاریٰ نہیں ہیں، جو بعد بعثت آنحضرت ﷺ کے عہد میں تھے یا جو بعد ظہور اسلام کے دنیا میں رہیں گے، بلکہ صرف ان کا جو ظہور اسلام سے پیشتر تھے مگر اپنی قوم کی ضلالت، تحریف و ترک شریعت و کتاب اللہ سے محفوظ ہیں اور سچی یہودیت اور حقیقی عیسائیت پر کہ دراصل اسلام ہے (کیونکہ دین ایک ہے اور ہمیشہ سے ہے) ان کا خاتمہ ہوا۔ دراصل ایسے یہودی اور نصرانی آنحضرت ﷺ کے ظہور تک موجود تھے۔

یعقوبیہ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا موحد فرقہ تھا، جو مسیح کو ابن اللہ نہیں مانتا تھا اور نہ کفارہ کا قائل تھا۔ روم کی نسل روحانی نے اس کے داعی کو سزا دی۔ وہ بھاگ کر اسکندریہ آیا۔ دراصل آج کل یونی ٹیرین عیسائی (یعنی مسیحیوں میں قائلین توحید اور منکرین تثلیث کی جماعت) انہیں کے بقایا ہیں۔ مشہور بشپ یوحنا جو حضرت عمرو بن العاصؓ کے ہاتھ پر بعد فتح مصر اسلام لایا اور سب سے پہلا حکیم اسلام قرار دیا گیا، اسی فرقہ کا پادری تھا۔ یہ لوگ سچے عیسائی یعنی مسلمان تھے، مسیح علیہ السلام کو نبی مانتے تھے۔ کفارہ کے قائل نہ تھے، نجات کا دار و مدار اعمال صالحہ کو سمجھتے تھے، راتوں کو عبادتیں کرتے اور دن کو بیماروں کی خدمتیں! ان میں اکثر ارباب بصیرت ایسے تھے کہ سچے دل سے فارقلیط کے موعودہ ظہور کے منتظر تھے اور ان میں سے جن لوگوں نے اس پاک ظہور کو پایا، سچے دل سے ایمان لائے، یہی لوگ تھے جن کی نسبت فرمایا ولتجدن اقربهم مودتہ للذین امنو الذین قالوا انا نصاریٰ، ذلک بان منهم قسیسین ورهبانا، وانهم لا یستکبرون (سورہ مائدہ) اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں، ہم نصاریٰ ہیں اس لیے کہ ان میں پادری اور رہبان ہیں اور اس لیے کہ ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں) لایستکبرون یعنی دعوت اسلامی کو سن کر جھک جاتے ہیں اور انکار نہیں کرتے۔ چنانچہ اس کے بعد فرمایا: واذا سمعو ما انزل الی الرسولِ تریٰ اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق (سورہ مائدہ) جب قرآن کو سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں سے جوئے اشک بہنے لگتی ہے اس لیے کہ سچائی کو انہوں نے پالیا ہے۔ یقولون ربنا آمنا فاکتبنا مع الشاهدین پس وہ پکار اٹھتے ہیں کہ خدایا ہم اس کلام پر ایمان لائے پس ہم کو شہدائے حق میں سے شمار کر!

ورقہ بن نوفل ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے طلب حق میں بڑا سفر کیا اور ایسے پادریوں سے ملے جو سرِ حقیقت سے واقف تھے۔ انہوں نے وصیّت کی کہ فارقلیط کا ظہور قریب ہے۔ ملنا تو ایمان لانا اور ہمارا سلام کہنا۔ سلمانؓ نے جب یہ واقعہ بیان کیا تو آنحضرت ﷺ متامل ہوئے کہ ایسے لوگوں کی نسبت کیا کہیں۔ اس پر آیت اُتری الذین امنو والذین هادو والنصاریٰ یعنی وہ سچے نصاریٰ تھے، سچے عیسائی تھے۔

ابن ابی حاتم نے بسندِ متصل مجاہد سے یہ روایت بیان کی ہے اور متعدد طرق سے منقول ہے اور

سعید بن جبیر نے بھی روایت کیا ہے۔ قرآن ہر جگہ اہلِ کتاب سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ کتاب اللہ کو قائم کرو، جس کو تم نے نبذواوراء ظہورھم کر دیا ہے۔ لستم علیٰ شی حتی تقیمو التوراۃ، (سورہ مائدہ) جو یہودی و عیسائی تورات و انجیل پر قائم رہے، کیوں نہ ان کے لیے مغفرت و بشائر ہوں؟ بات بالکل صاف ہے اور خواہ مخواہ دوسری طرف لے جانا غلطی ہے۔ یہی تفسیر خود آنحضرت ﷺ نے کی اور یہی تفسیر اجلۂ صحابہ و تابعین سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس سے بطریق متعددہ مروی ہے کہ مقصود امم سابقہ کے ساتھ "اٰمنو" کیوں کہا؟ یعنی مومنین کا کیوں ذکر کیا؟ تو اس کا جواب خود ابن عباسؓ دے چکے ہیں چونکہ دینِ الہیٰ ایک اور نتائج ایک، اس لیے فرمایا کہ اصل کار ایمان باللہ و عمل صالح ہے پس جو ایمان لائے اور سچے یہودی و نصرانی تھے سب اللہ کے نزدیک ایک درجے میں ہیں اور مغفرت کا دروازہ باز۔ باقی رہے ان اقوام کے وہ لوگ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا اور تبلیغ و دعوت کی گئی اور انکار کر دیا یا اس کے بعد کرتے رہے تو ان کی نسبت یہی قرآن سورہ حج میں فرماتا ہے ان الذین امنو، والذین ھادو، والصابئین والنصاریٰ، والمجوس، والذین اشرکو، ان اللہ یفصل بینھم یوم القیامۃ ان اللہ علی کل شی شھید (جو لوگ ایمان لائے، جو یہودی ہوئے، جو نصاریٰ ہیں، جو مجوسی ہیں، جو مشرک ہیں، قیامت کے دن ان سب کے درمیان اللہ فیصلہ کر دے گا۔ اللہ سے کوئی بات چھپی نہیں، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔)

اگر سورۃ بقرہ کی آیت کا وہ مطلب ہے جو آپ نے لکھا ہے اور آپ کے لیے موجب شبہ ہوا ہے، تو کہ اس آیت کا مطلب کیا ہوگا، اس سے بھی بڑھ کر چیز یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر سب سے پہلے خود قرآن ہی سے کرنی چاہیے اور اچھی طرح دیکھ لینا چاہیے کہ ایک ہی مطلب کے متعلق کہاں کہاں ارشادات موجود ہیں۔ جس طرح بقرہ میں ان اقوام و مذاہب کی نسبت فرمایا، ٹھیک ٹھیک اسی طرح سورہ مائدہ میں کہا ہے:

قُل یا اھل الکتاب لستُم علیٰ شئی حتیٰ تقیمو التوراہ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم، والیزیدن کثیراً منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا، وفلاتاس علیٰ القوم الکافرین۔ ان الذین امنوا والذین ھادو والصابئون والنصاریٰ من امن باللہ والیوم الاخرو عمل صالحاً فلا خوف علیھم ولاھم یحزنون۔ لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلا کلماً جاء ھم رسول بما لاتھویٰ انفسھم فریقا کذابو و فریقا یقتلون (ان لوگوں سے کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ٹکنے کے لیے کچھ بھی نہیں جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، اسے قائم نہ کرو، اور اے پیغمبر جو کچھ پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے، (بجائے اس کے کہ ان کے لیے تنبیہ و نصیحت کا موجب ہو) اور زیادہ ان کی سرکشی اور انکار بڑھا دے گا، تو تم اس گروہ کی حالت پر افسوس نہ کرو، جو حق سے منکر ہو گیا، جو لوگ قرآن پر ایمان لائے ہیں، وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں اور صابی اور نصاریٰ ہیں کوئی ہو، لیکن (اصل دین یہ ہے کہ) جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے گا اور اچھے کام کرے گا تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا نہ کسی طرح غمگینی۔ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (ایمان اور عمل کا) عہد

اطاعت بنی اسرائیل سے لیا اور رسول بھیجے، مگر جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا تو انہوں نے ان میں سے بعض کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔ اب دیکھیے کہ یہاں سب سے پہلے اہلِ کتاب سے فرمایا کہ تم کچھ نہیں ہو جب تک کتاب اللہ کو قائم نہ کرو، یعنی تورات و انجیل کو پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم پر جو کلام حق نازل ہو رہا ہے تو اس سے یہ انکار کرتے ہیں اور یہ انکار ان کے لیے موجب مزید کفر و طغیان ہو رہا ہے۔ پس ان کے لیے غم نہ کرو، یہ کافر ہیں۔ قوم کافرین کی شقاوت پر افسوس لاحاصل ہے اس کے بعد وہی سورہ البقرہ والی آیت بادنیٰ تقدیم و تاخیر الفاظ آتی ہے کہ ان کافرین میں سے جو لوگ ایسے ہوئے کہ کتاب اللہ کو قائم کیا۔ یعنی ایمان باللہ و عمل صالح اختیار کیا تو وہ اس طغایان و کفر سے پاک رہے وہ مثل مومنین اسلام کے ہیں۔ ان کے لیے کوئی خوف نہیں۔ پھر کہا لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل اس سے مزید وضاحت ہو گی کہ یہاں یہودیوں سے وہی مراد ہیں جنہوں نے میثاق الٰہی کو نہیں توڑا اور تکذیب رسل سے بری رہے۔

سر سیّد مرحوم اور سیّد جمال الدین کا اس کی بنا پر خیال تھا کہ ایمان بالرسل شرط نجات نہیں۔ نہیں معلوم کیوں، مگر میں نے مولانا عبید اللہ کو بھی اس طرف مائل پایا۔ البتہ وہ زور زیادہ مسئلہ تبلیغ کی بنا پر دیتے تھے اور بنیاد شاہ صاحب کی ایک عبارت پر رکھتے تھے۔

حواشی

۱۔ نئی دہلی: مکتبہ شاہراہ جامعہ (۱۹۹۲ء)، ۲۶ ص

۲۔ قاضی عبد الغفار، آثارِ ابوالکلام آزاد، دہلی: مکتبہ شاہراہ، ص ۱۵۷، ۱۵۸ منقولہ از "صراطِ مستقیم"، حوالہ مذکورہ، ص "ایک"

۳۔ اس سلسلے میں جناب غلام احمد پرویز کا مقالہ (جو اولاً ماہنامہ "معارف" کے جنوری ۱۹۳۳ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔) اور مولانا محمد ابراہیم میر پر سیالکوٹی کی تالیف "واضح البیان فی تفسیر ام القرآن" [سیالکوٹ: دفتر الہادی (۱۹۳۵ء)] بہت نمایاں ہیں جناب پرویز نے ۱۹۴۰ء کے عشرے میں جمہور اہل سنّت سے اپنا راستہ جدا کر لیا تھا اور "حجیّت حدیث" کے قائل نہ رہے تھے، تاہم آل انڈیا مسلم لیگ کے ہم نوا تھے اور مولانا آزاد کے سیاسی و مذہبی ناقد اس کے بعد انہوں نے اپنے مجلّہ "طلوعِ اسلام" (اولاً کراچی سے اور بعد ازاں لاہور سے شائع ہوتا رہا) میں مولانا آزاد پر تنقید جاری رکھی۔

۴۔ دیکھیے: غلام رسول مہر (مرتب) نقشِ آزاد، لاہور: کتاب منزل (۱۹۵۸ء) تبرکات آزاد لاہور: کتاب منزل

۵۔ دیکھیے حاشیہ ۱، ص "پانچ"